سید زبیر شاہ کے افسانوں میں جنس نگاری

Reflection of sexism in fictions of Syed Zubair Shah

محمد شہزاد

پی۔ایچ ڈی سکالر شعبہ اُردو، اسلامیہ کالج پشاور

ڈاکٹر اظہار اللہ اظہار

پروفیسر شعبہ اُردو اسلامیہ کالج پشاور

Abstract

In Urdu literature, when it comes to the portrayal of sex, Afsana/short story is the most prominent genre. That's why within countable decades many such short story writers arisen on the horizons who portrayed this innate need in a better way. In this link, Syed Zubair shah has also participated excellently. He has portrayed sex in short story in a vibrant way. In his case of writing, sex is one of the fundamental needs of human beings. He is not afraid while discussing sex rather liberal and eloquent in this case like Manto.

سید زبیر شاہ خیبر پختونخوا کے حوالے سے اردو دنیا کی افق پر ابھرنے والے نووارد افسانہ نگار ہیں۔ وہ بلاشبہ افسانے کی روح سے واقف اور افسانے کے فن سے آگاہ ہے۔ اس لیے ان کے کہانیوں میں فن کی پختگی کے آثار نظر آتے ہیں۔ اور کہیں پر بھی بُنت کی کمزوری اور کہانی کے ڈھیلے پن کا احساس نہیں ہوتا۔ خالد سہیل ملک ان کے افسانوں کی اس خاصیت کے متعلق رقمطراز ہیں

"زبیر شاہ نے افسانہ کو واقعی ایک سنجیدہ سرگرمی کے طور پر نبھایا ہے۔ وہ اپنے موضوع کے خمیر کو خوب گوندھتا ہے اور پھر بنت کے چاک پر دھرتا ہے۔ اس کے بعد جو کہانی کی پراڈکٹ سامنے آتی ہے تو لازماً بے داغ اور ہموار ہوتی ہے۔ اس کا افسانہ اپنی چست بنت کاری سے قاری کو Grip کرتا ہے۔ وہ کہانی کہتے کہتے قاری کے لیے تجسس کی چھوٹی چھوٹی پوٹلیاں پھینکتا جاتا ہے اور قاری ان پوٹلیوں کو اٹھاتے اٹھاتے کہانی کے انجام تک پہنچ جاتا ہے"۱

جہاں تک جنس کا حوالہ ہے۔ تو جنس نا صرف زندگی کی بنیادی ضرورتوں میں سے ایک ضرورت ہے بلکہ انسانی نسل کی بقا کی ضمانت ہے۔ سلسلہ زیست کے لیے خالقِ کائنات نے جو راستہ چنا وہ جنسی ملاپ کا راستہ تھا۔ اور اہم ہونے کی وجہ سے پھر اس میں بنیادی لذت کا عنصر شامل کیا تاکہ انسان کی رغبت اسی طرف ہو اور جس کی وجہ سے بقائے زیست کا عمل بھی جاری وساری رہے گا۔

جنس کثیر المعانی لفظ ہی نہیں بلکہ بعض علوم کے اندر اصطلاح کا کام کرتا ہے۔ اپنے اصل میں یہ لفظ عربی ہے۔ جو "نوع" "شے" اور "قسم" کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے فرہنگ آصفیہ اردو میں مستعمل اس لفظ کے کم وبیش تمام مترادفات یوں درج کرتے ہیں۔

"جنس۔ع۔(اسم مونث) چیز، شے، اسباب، سودا، اثاثہ، مال، سوداگری، ذات، قماش، نوع، صنف، قسم، جماعت۔اصطلاح منطق میں جس کے تحت میں کئی نو مندرج ہوں جیسے حیواں وانساں نوع وغیرہ، زیور، گہنا، جواہر، تذکیر وتانیث"2

علم الاحیاء میں انسان کے ہر دو صنفوں مذکر و مؤنث کو کہا جاتا ہے۔ جبکہ عام معنوں میں تذکیر و تانیث کے افزائشِ نسل کے لیے باہمی تعلق کو بھی کہا جاتا ہے۔ نر و مادہ کے اندر جنسی احساس رکھا گیا ہے اور یہ اتنا لطیف احساس ہے کہ اس کا ادراک انسانوں کے ساتھ ساتھ حیوانات کو بھی انتہائی حالت میں ہوتا ہے۔ جس کے بل بوتے پر وہ افزائشِ نسل کا کام کرتے ہیں۔

انسانی برادری میں اس تعلق کے لیے باقاعدہ ایک ضابطہ اور قانون لائحہ عمل میں لایا جاتا ہے جس کو شادی کہا جاتا ہے تاہم اس کے علاوہ بھی مرد و زن جنسی تعلقات بناتے ہیں جس کو تقریباً ہر سماج کے اندر گناہ تصور کیا جاتا ہے

جہاں تک ادب میں جنس کی پیشکش کا تعلق ہے تو ادب زندگی کا نچوڑ ہے۔ زندگی سے متعلق اتنی اہم چیز سے ادب کسطرح صرفِ نظر کر سکتا ہے۔ اس لیے نظم و نثر دونوں میں اس کا اظہار ملتا ہے۔ لیکن شاعری کی نسبت فکشن میں یہ چیز زیادہ کھل کر سامنے آتی ہے

اردو افسانہ چونکہ انگریزی ادب سے مستعار صنف ہے اس لیے افسانے کی شعریات سمیت موضوعات میں بھی کم و بیش اسی نوعیت کا رنگ نظر آتا ہے۔

اردو افسانے کی ابتدا اگرچہ سماجی حقیقت نگاری اور رومانوی نوعیت کے افسانوں سے ہوئی۔ مگر جلد ہی دو ایسے قلمکار افسانے کی صنف کو نصیب ہوئے جنہوں نے نا صرف اس صنف کو کمال تک پہنچایا بلکہ جنسی عناصر کی عکاسی میں بھی بے باکی کا ثبوت دیا۔ یعنی منٹو اور عصمت چغتائی۔ خود منٹو اس حوالے سے لکھتے ہیں۔

"اگر منٹو اور عصمت کی شادی ہو جاتی تو اس حادثے کا اثر عہدِ حاضر کے افسانوی ادب کی تاریخ پر ایٹمی حیثیت رکھتا۔ افسانے افسانے بن جاتے، کہانیاں مڑ تڑ کر پہیلیاں بن جاتیں"3

مگر یہ حادثہ اس کے بغیر بھی ہونا تھا اور بعد ازاں منٹو و عصمت کے اردو افسانے پر ان دونوں کا کسی نہ کسی صورت اثر رہا۔ یہی اثر کے زیر سایہ آج خیبر پختونخوا میں بھی اس قسم کی تاثیر افسانوں میں دیکھا جا سکتا ہے

سید زبیر شاہ کہ افسانوں میں جنسی پیشکش ہوس کی صورت نہیں بلکہ جنسی ضرورت کی صورت عیاں ہے۔ جس پر عریانی کا شبہ نہیں ہوتا۔ تاہم جزیات نگاری میں کہیں کہیں وہ منٹو کی طرح بے باکی کا ثبوت دیتے نظر آتے ہیں افسانہ مرگِ آرزو میں رابعہ کے جسم کی کشش ان الفاظ میں سامنے لاتے ہیں۔

"اس کے بیڈ سے چادر سمیٹ کر جب وہ باہر جانے لگی تو اس کے لنگڑانے سے چھاتیوں کے جھٹکے اور کولہوں کی تھر تھراہٹ دیکھ کر اس کے اندر ہیجان برپا ہوا تھا کہ وہ بڑی مشکل سے خود کو روک پایا تھا"4

یہ ایک شاعر کی کہانی ہے عموماً مرد حضرات سارے حسن پرست ہوتے ہیں لیکن شاعری کی غذا چونکہ حسن ہے اور شاعری میں سراپا نگاری کا عنصر ہی محبوب کے جسم کی کشش سے پیدا ہوتا ہے چنانچہ یہاں بھی وہی والی بات ہے۔ اور رابعہ باوجود اس کے ملازمہ ہونے کے اس کی بیوی بن گئی۔ افسانے نگار اس کو یوں واضح کرتے ہیں

"یہ آنکھ مچولی کچھ عرصہ تو راز رہی لیکن جلد ہی اس کی بے چینی نے گھر والوں کے سامنے سارا بھید کھول دیا۔ سب حیران تھے کہ جوانی کے اس طوفان کو کیسے روکا جائے۔ پہلے تو لڑکی کی معمولی حیثیت کا مسئلہ کھڑا کر دیا گیا پھر اس کی معمولی شکل و صورت پر بحث و مباحثے شروع ہوئے۔ ہر ایک نے انکار کی صورت میں اپنا اپنا فیصلہ سنا دیا لیکن وہ تو اس کے جسم کے خدوخال میں اس قدر کھو چکا تھا کہ شکل و صورت اور حیثیت کی ساری باتیں اس کے لیے بے معنی تھیں۔ گھر والے جانتے تھے کہ اس کی زندگی کے معیارات اور سوچنے کے انداز ان سے بالکل مختلف ہے"5

مرد کی جنسی حس کا اظہار فوری اور ظاہر ہے۔ اس کے لیے جسمانی خدوخال جنسی اعتبار سے کافی اہمیت کے حامل ہے خود مرد ہونے کے ناتے زبیر شاہ اس حقیقت سے واقف تھے۔ اس لیے جنسی اعتبار سے یہ عنصر اس کے کردار میں عیاں ہے۔ اور جب یہی رابعہ شادی کے پانچ سال بعد فربہ جسم کی مالکہ بن جاتی ہے تو اسی شوہر کی آنکھیں دوسرے پرکشش اجسام پر پڑنی شروع ہو جاتی ہیں۔

"یخ بستہ دہلیز" یہ افسانہ بھی جنسی موضوع کو پیش کرتا ہے۔ لیکن یہاں مرد کے بجائے عورت کردار کی جنسی ضرورت کی عکاسی کی گئی ہے۔ ہمارے یہاں عموماً مردوں کے ذہن میں یہی بات ہوتی ہے کہ عورت جنسی ضرورت سے مستثنیٰ ہے اور اس مغالطے کے بل بوتے پر اکثر شوہر اپنی عورتوں کی جنسی تسکین نہیں کرپاتا۔ اور تو اور بعض حضرات تین چار مہینے کی نئی نویلی دلہن کو چھوڑ کر پردیس مزدوری کے لیے چلا جاتا ہے۔ مذکورہ افسانے کی کہانی بھی اسی سماجی تنزلی کی عکاسی ہے۔ کہ عزیز علی شادی کے بعد نوبیاہتی دلہن چھوڑ کر باہر چلا جاتا ہے وہاں تیسرا سال شروع ہوجاتا ہے کہ یہاں اس کی بیوی عاشی پیٹ سے ہوجاتی ہے

"لیکن وہ نہیں جانتا تھا کہ جس بنجر کھیتی کو آباد کرنے میں وہ اپنے جسم کو بوند بوند نچھاور کررہا ہے ایک دن بہار آنے سے پہلے ہی اسے چھوڑ کر جانے پر مجبور ہوجائے گا۔۔۔اور اب جب اس کی محنت کے بغیر اس کی بنجر زمین نے اپنی زرخیزی کا اعلان کردیا تھا اور اس میں کسی اور کی بوئی ہوئی فصل اگنے لگی تھی تو ہر ایک اپنے رویے اور لفظوں کے کچوکے لگا کر اسے مجبور کر رہا تھا"6

جس بات کی نشاندہی ہم نے پہلے کی تھی کہ زبیر شاہ کے ہاں جنس ایک بنیادی ضرورت کے تحت عیاں ہے۔ مذکورہ عبارت سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔ پیٹ بھی انسان کی ضرورت ہے لیکن ایک ضرورت کو مدنظر رکھ کر دوسری ضرورت سے صرفِ نظر کرلینا کہاں کی دانشمندی ہے۔ پھر وہی ہوگا جو مذکورہ کردار کے ساتھ ہوا۔

زبیر شاہ کا فلسفہ جنس کے متعلق واضح ہے وہ جنس کے اظہار میں شرم محسوس نہیں کرتے اور نہ ہی ان کے کردار انتظار حسین کے کردار کی طرح پنڈلی دیکھ کر گھبراتے نہیں ہیں بلکہ کہیں پر منٹو کے کرداروں کی طرح جنس میں وحشت کا پہلو بھی داخل کردیتے ہیں۔

"رات گئے نجیب گھر آیا تو والہانہ انداز میں اس کے بکھرے ہوئے وجود کو سمیٹنے میں مصروف ہوگیا۔ جہاں جہاں اسے زخم دیے تھے وہاں وہاں ہونٹوں سے پیار کا مرہم رکھنے لگا۔ وہ اس کے گالوں کو دیر تک اپنی پلکوں سے سہلاتا رہا۔ اس کے نتھنے پھڑک رہے تھے اور ہنسلی کی ہڈی وقفے وقفے سے لمحہ بھر کے لیے لرز اٹھتی جیسے اس کے گلے میں کوئی چیز اٹکی ہوئی ہو۔ اسے پیار کرتے کرتے اس کے حلقوم سے مسلسل بھدی آواز برآمد ہورہی تھی جسے سن کر زبیدہ کو محسوس ہورہا تھا جیسے کوئی درندہ اس کے وجود کو چاٹ چاٹ کر وہ تمام نقش مٹانا چاہتا ہے جو اظہر کی یاد کے لمس اس کے جسم پر ابھر آئے تھے۔"7

یہاں زبیر شاہ جنسی تعلقات کے دورانیے کی عکاسی کررہا ہے۔ جنسی عمل ایسا لطیف عمل ہے جس میں اپنے مفعول کو ساتھ لے کے چلنا پڑتا ہے وگرنہ بصورتِ دیگر ایک وحشیانہ عمل کا بین ثبوت بن جاتا ہے۔ مذکورہ افسانے میں بھی نجیب اور اس کی بیوی میں یہی تفاوت ہے۔ اس کی بیوی شادی سے پہلے کسی اور کی محبت میں گرفتار تھی۔ شادی کے بعد بھی شوہر کا ساتھ ایسے میسر نہیں آیا جس کی وجہ سے پرانی محبت دل سے محو ہوجاتی۔ اس کے شوہر محض جنسی عمل سے جلدی جلدی نمٹنے کے بعد اپنی روزوشب اپنے ڈھنگ سے گزارتا اور بیوی کو درخورِ اعتنا نہیں سمجھتا۔

خالی فریم بھی زبیر شاہ کی جنسی نوعیت کا افسانہ ہے۔ مرد کے جنسی ضرورت کی شدت اور عدم موجودگی کی بنا پر جنسی شدت اس افسانے کا موضوع ہے۔ اس افسانے کا مرکزی کردار جو کسمپرسی اور بے روزگاری کی زندگی گزار رہا ہے جس کی زندگی ایک چھوٹے کمرے تک محدود ہے۔ اس کے علاوہ عمر کے اس حصے میں جہاں عورت کی ضرورت جسمانی اعتبار سے زیادہ ہوتی ہے۔ تو جنسی آسودگی کے لیے وہ مختلف حربے اپناتا ہے۔ یہاں تک کہ روزانہ راہ چلتے کسی عورت کو دیکھ کر اس کے ساتھ خیالی جنسی راوبط بناتا تھا۔ آج بھی بس سٹاپ پر لڑکی دیکھنے کے بعد اس کی یہی حالت تھی۔

"جب حواس بحال ہوئے اس نے نیچے پڑی ہوئی چادر اٹھا کر لڑکی کے ننگے جسم پر ڈال دی اور خود غسل خانے چلا گیا۔ دیر تک پانی گرنے کی آواز آتی رہی اور وہ اپنے جسم سے آنے والے سبز پتوں کی مہک سے مسرور ہوتا رہا۔ جب باہر آیا تو کمرے میں ساری چیزیں بکھری ہوئی تھیں۔ خالی فریم پر ایک بے رنگ اور خستہ ٹشو پیپر پڑا ہوا تھا اور دروازے کی چٹخنی اندر سے بند تھی"8

یہاں عمر کی پختگی کو بغیر کسی جنسی تعلق کے پیش کیا گیا ہے۔ جنس کی اہمیت اور انسانی ذہن کی تسکین میں اس کا اہم کردار ہے۔ وگرنہ بصورتِ دیگر بیمار اور ناآسودہ ذہن سامنے آتا ہے۔ یہاں مرکزی کردار کی یہی کیفیت تھی۔ یہ خیالی اور تصوراتی جنسی روابط کا مرقع ہے۔

اسی طرح زبیر شاہ کا افسانہ "ہیرا" بھی جنسی موضوع کا افسانہ ہے۔ ہیرا وہ کردار ہے جس کی صورت میں تیسری جنس کی عکاسی کرتی ہے۔ ایسے کردار کے ساتھ لوگوں کا رویہ عجیب ہوتا ہے۔ اکثروبیشتر اس کے ساتھ زبردستی جنسی تعلقات استوار کر کے مارا پیٹا بھی جاتا ہے۔ عاقب جاوید اس کردار کے حوالے رقمطراز ہیں۔

"وہ اپنی ذات کی غیر تکمیلیت سے منحرف ہے۔ اسے اپنے ساتھیوں کے ساتھ رہتے ہوئے عجیب طرح کی تنگی اور گھٹن کا احساس رہتا ہے۔ وہ ہر لمحہ اسی کرب میں مبتلا ہے کہ آخر وہ ایسا کیوں ہے؟ وہ اوروں کے برعکس ہر لمحہ خاموش اور کسی گہری سوچ میں ڈوبا رہتا ہے۔ اس کے اندر معلوم نہیں کون سا طوفان پل رہا ہے" 9

زبیر شاہ معاشرے کے اندر ایسے کردار کی زندگی کو دیکھ چکا ہے۔ تیسری جنس سے لوگوں کے رویے بیگانہ ہوتے ہیں۔ اکثر جنسی طور پر ان بے چاروں کو ہراساں کیا جاتا ہے۔ ان سارے عوامل کو ذہن میں رکھ کر زبیر شاہ نے اس کردار کو تخلیق کیا ہے۔

مجموعی طور پر زبیر شاہ اردو افسانے کے بہترین لکھاری ہے۔ عزیز زاہد ان کے افسانوں کے مجموعی تاثر کے متعلق رقمطراز ہیں:

"زبیر شاہ نئی نسل کا نمائندہ ہے۔ نئی نسل اپنی حیاتیاتی تندی کے باعث زیادہ فعال، عمل اور ردعمل میں زیادہ گھٹی ہوئی اور رفتار میں زیادہ سرعت کی حامل ہوتی ہے۔ زبیر شاہ کے نئے افسانوی مجموعے یخ بستہ دہلیز میں یہ تندی اور تیزی، فعالیت، عمل اور ردعمل زیادہ نمایاں طور پر دکھائی بھی دیتے ہیں اور محسوس بھی ہوتے ہیں"

اسی بیان کے مصداق یہ کہنا حق بجانب ہے کہ زبیر شاہ بلاشک خیبر پختونخوا کے حوالے سے افسانے کی دنیا کی بہترین آواز ہے۔

حوالہ جات

1=سید زبیر شاہ، یخ بستہ دہلیز،، مشمولہ : یخ بستہ دہلیز پر پھیلی کہانیاں از خالد سہیل، یونیورسٹی بک ایجنسی پشاور، 2017ص18

2=فرہنگ آصفیہ، جلد دوم، نیشنل اکیڈمی دہلی، 1974، ص52

3=سعادت حسن منٹو، "عصمت چغتائی" مشمولہ ماہنامہ ادب لطیف، "عصمت چغتائی نمبر" لاہور ص۲۶

4=سید زبیر شاہ، یخ بستہ دہلیز، مشمولہ : مرگِ آرزو" ص108

5=ایضاً، ص108

6=سید زبیر شاہ، یخ بستہ دہلیز، مشمولہ : یخ بستہ دہلیز، ص40

7=سید زبیر شاہ، یخ بستہ دہلیز، مشمولہ : پہلی قسط، ص29

8=زبیر شاہ، خوف کے کتبے، مشمولہ : خالی فریم، ص : 66

9=عاقب جاوید، : " سید زبیر شاہ کے افسانوں کے کرداروں کا سماجی و نفسیاتی تناظر میں تجزیاتی مطالعہ"" مقالہ برائے ایم فل، نمل یونیورسٹی اسلام آباد، سیشن 2020؛ ص : 68

10=زبیر شاہ، یخ بستہ دہلیز، مشمولہ : خوف کے کتبے سے یخ بستہ دہلیز تک، از یوسف عزیز زاہد، ص17